

## ترجمہ قرآن ”موضع قرآن“ کا شاہ رفیع الدین سے انتساب (ایک تحقیقی جائزہ)

نور الحسن راشد کانڈھلوی جد

حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادگان والاشان کی قرآنی خدمات کی فہرست میں ان کے تراجم قرآنی: ”فتح الرحمن“، ”موضع القرآن“ اور ”تفصیر موضع قرآن فتح العزیز“ کا مرکزی مقام ہے، اسی فہرست میں اس ترجمہ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے جو حضرت شاہ رفیع الدین کے نام سے معروف ہے، مگر اول الذکر ترجموں اور تفسیر اور ترجمہ منسوب شاہ رفیع الدین میں ایک نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ پہلی تینوں تصانیف و تراجم کی علمی استنادی حیثیت شک و شبہ سے بالاتر ہے، ان کا اپنے مصنفوں و مترجمین سے استناد ناقابل تردید ہے اور ان کے معتبر و قدیم شخصوں کے علاوہ ان ترجموں کی ان کے مصنفوں کرام سے اجازت و روایت کا مستند و معتبر سلسلہ بھی موجود ہے مگر حیرت ہوتی ہے کہ ترجمہ منسوب به شاہ رفیع الدین ان صفات و محاسن سے محروم ہے اور اپنے ثبوت و استناد کا ہنوز محتاج ہے۔ کیا ترجمہ منسوب به شاہ رفیع الدین کی شاہ صاحب سے معروف نسبت صحیح ہے؟ چند گزارشات توجہ چاہتی ہیں۔

### خاندان ولی اللہی کے ترجموں اور تفاسیر کا تاریخی استنادی مقام و مرتبہ

ترجمہ منسوب به شاہ رفیع الدین کے تاریخی استنادی پس منظر کے جائزہ سے پہلے مناسب ہوگا کہ خاندان ولی اللہی کے اردو تراجم و تفاسیر کی تاریخی استنادی حیثیت کا اجمالی تذکرہ ہو جائے۔

فتح الرحمن: کی تالیف کی مفصل سرگزشت خود حضرت شاہ ولی اللہ نے تحریر فرمائی ہے جس میں اس کا سند تالیف (۱۱۵۰ھ تا ۱۱۵۶ھ مطابق ۱۷۳۷ء تا ۱۷۴۲ء) مصرح ہے، اس کی وجہ تالیف بھی تحریر فرمائی ہے اس کے لیے خواجہ محمد امین سندھی کی کوشش نیز ان کی کاوش سے اس کے متعدد شخصوں کی تیاری اور ان شخصوں کی پذیرائی کا بھی ذکر فرمایا ہے۔<sup>(۱)</sup>

تذکرہ اور حوالہ آیا ہے، شاہ صاحب نے اپنے متعدد شاگردوں کو اس کی اجازت اور سند عطا فرمائی ہے، جن میں سے بعض اصل سندیں اس وقت تک محفوظ ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت شاہ صاحب کے فرزندان والا شان اور متعدد شاگرد اس کا ذکر کرتے ہیں اور انہوں نے اپنی اپنی تصانیف و مؤلفات میں فتح الرحمان کا صاف صاف تذکرہ کیا ہے اور اس سے اخذ و استدلال بھی فرمایا ہے، اس لیے فتح الرحمان کا حضرت شاہ ولی اللہ سے انتساب شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

**تفسیر فتح العزیز:** حضرت شاہ عبدالعزیز کی تفسیر فتح العزیز کا بھی یہی معاملہ ہے، اس کی وجہ تالیف اور سند تالیف (تقریباً ۱۲۰۸ھ) دونوں معلوم ہیں۔

فتح العزیز شاہ عبدالعزیز نے اپنے ایک نو مسلم عزیز شاگرد، شیخ مصدق الدین کی فرمائش پر لکھی تھی۔ (۱) حضرت شاہ صاحب کی متعدد تصانیف و رسائل اور مکتوبات و فتاویٰ میں ”فتح العزیز“ کا ذکر ہے۔ شاہ صاحب کے مرض وفات بلکہ وفات سے چند لمحے قبل کے احوال و ارشادات میں بھی اس کا تذکرہ آیا ہے۔ (۲) نیز متعدد علماء کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے ”فتح العزیز“ کی اجازت حاصل تھی اور وہ اس کو سند متصل نقل کرتے تھے، یہ سلسلہ روایت و اجازت دیر تک قائم رہا۔ فتح العزیز کے معتبر اور قدیم ترین نسخے دریافت ہیں۔ نسخہ مصنف کی نقل یا خود شاہ صاحب کی تحریر سے مزین نسخوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ فتح العزیز حضرت شاہ صاحب کی وفات کے نو سال بعد ۱۲۳۸ھ (۱۸۳۲ء) میں ملکتہ سے شائع ہو گئی تھی۔ (۳) اس کے قلمی اور مطبوعہ دونوں نسخے مقبول و معتمد علیہ ہیں۔

تفسیر فتح العزیز کے علاوہ حضرت شاہ صاحب کے اور افادات قرآنیہ بھی موجود و محفوظ ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کا ہفتہ میں ایک مرتبہ عمومی درس قرآن کا ہمیشہ معمول رہا۔ جس میں پورے قرآن مجید کا درس کئی مرتبہ مکمل ہوا۔ اس درس کی تقریبیں اور افادات ان درسوں میں حاضر متعدد اصحاب قلم نے تلمذبند کیے جن میں سے تین مرتبہ کے علیحدہ درس قرآن کے مکمل و مرتب افادات کا سراغ ملتا ہے۔

**موضع قرآن:** موضع قرآن کی استنادی حیثیت میں بھی کچھ شک و شبہ نہیں، حضرت شاہ عبدالقدار صاحبؒ سے اس کا انتساب تو اتر کے مرتبہ تک پہنچا ہوا ہے۔ موضع قرآن کے آغاز پر مترجم کے نام کے مابین اتنے کم تکمیلاً کے میں میں (۱۹۰۱ء) حضرت شاہ عبدالقدار کے کام کے شفہی کو

طرح کامل و مکمل ہے۔

موضع قرآن کے حضرت شاہ صاحب کی حیات (وفات ۱۲۳۰ھ جون ۱۸۱۵ء) میں نقل شدہ کم سے کم چار نسخے اب تک محفوظ ہیں، جن میں ایک نسخہ ایسا بھی ہے جو موضع قرآن کے مکمل ہونے سے صرف تین یا چار ماہ بعد (غالباً نسخہ مصنف سے) نقل کیا گیا ہے، اس پر اس نسخے کے مکمل ہونے کی تاریخ جمادی الثاني ۱۲۰۵ھ (فروری ۱۷۸۱ء) درج ہے۔<sup>(۵)</sup> نیز موضع قرآن کے قلمی نسخوں کی بہت بڑی تعداد دستیاب ہے۔ تمام معلوم قلمی نسخوں کی فہرست بنائی جائے تو موجودہ قلمی نسخے ستر پچھتر سے کم نہیں ہوں گے۔ محمد اللہ پانچ قلمی (مکمل و ناتمام) نسخے ہمارے ذخیرہ کتب میں محفوظ ہیں۔<sup>(۶)</sup> موضع قرآن کی موجودہ دور تک حضرت شاہ عبدالقادر صاحب سے سند متصل سے اجازت ثابت ہے۔ خصوصاً حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میان ندوی کے توسط سے اس کی اجازت و سند معلوم و متواتر ہے۔<sup>(۷)</sup> بفصیل تعالیٰ خود ہمارے خاندان اور گھرانے میں بھی اس کا سلسلہ جاری تھا اور سنديں بھی معلوم ہیں۔<sup>(۸)</sup>

موضع قرآن سب سے پہلے کلکتہ سے چھپا تھا، اس کا قلمی نسخہ مولوی سید عبد اللہ بن سید بہادر علی نے اس وقت خریدا تھا، جب حضرت سید احمد شہید کا قافله (جس میں مولانا عبدالحق بڈھانوی اور شاہ محمد اسماعیل وغیرہما، خاندان ولی اللہی کے بڑے بڑے نمائندے بھی شامل تھے) جج کے لیے جاتے وقت (اواخر ۱۲۲۷ھ، اگست-اکتوبر ۱۸۲۲ء) کلکتہ سے گزرا تھا، اسی نسخہ کی مدد سے سید عبد اللہ نے موضع قرآن اپنے مطبع "احمدی" کلکتہ سے (۱۲۲۵ھ، ۱۸۲۹ء-۳۰) میں شائع کر دیا تھا۔<sup>(۸)</sup>

### ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کی تاریخی استنادی حیثیت پر ایک نظر

نمذکورہ بالا تینوں بنیادی اور اہم ترین قرآنی خدمات کے علاوہ بھی حضرت شاہ ولی اللہ اور خاندان ولی اللہی کے علمائے کرام کی ترجمہ و تفسیر اور علوم القرآن پر متعدد چھوٹی بڑی مؤلفات اور کتب موجود و معلوم ہیں، تقریباً ان سب کی اصل اور سند موجود ہے، ان میں سے اکثر کے معتبر تاریخی ثبوت اور ان کے قدیم ترین مستند قلمی نسخے موجود ہیں۔ مطبوعہ نسخوں کی علمی اساس بھی دریافت کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس شاندار علمی، تاریخی پس منظر میں جب ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین پر نظر جاتی ہے تو اس

- محققین اور اہل نظر علماء نے کسی تحریر و تصنیف کی کسی عالم اور مصنف سے نسبت اور اس کے قلمی نسخوں کی اصلیت جانچنے کے لیے چند اصول و ضوابط متعین کیے ہیں، جو یہ ہیں:
- ۱۔ نسخہ مصنف کی دریافت، اس کا استناد اور اس سے مطابقت۔
  - ۲۔ ایسا نسخہ جو مصنف کے حلقة درس میں پڑھا گیا ہو۔
  - ۳۔ ایسا نسخہ جو نسخہ مصنف کی نقل ہو۔
  - ۴۔ نسخہ مصنف کی ایسی مستند اور معتر نقلیں جن پر اعتناد کیا جا سکتا ہو۔
  - ۵۔ اس کتاب یا ترجمہ کے متعلق مصنف یا مترجم کی اپنی تحریرات، مکتوبات و موالقات وغیرہ جن میں اس تالیف یا خدمات کا ذکر آیا ہو۔
  - ۶۔ مصنف کے شاگردوں یا مصنف سے اس کتاب کے پڑھنے کی اجازت اور سند روایت۔
  - ۷۔ مصنف و مترجم کے شاگردوں، اہل خاندان یا معتر معاصرین کی تصدیق و اطلاع۔
  - ۸۔ وہ قرائیں یا ختمی اطلاعات و روایات جن سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ فلاں وقت میں فلاں عالم یا مصنف یہ خدمت انجام دے رہے تھے۔
  - ۹۔ کتاب کا وہ نسخہ جو مصنف کے اعزہ یا معتر متعلقین کے ذریعہ سے یا دیگر معتر ذرائع سے چھپا ہو۔

- اس کے علاوہ بھی چند اصول و ضوابط ہیں جن کے ذریعہ سے کسی مصنف کی کسی سے نسبت اور وابستگی کی تصدیق کی جا سکتی ہے، ان قواعد و ضوابط اور دریافت قرائیں و شواہد کی روشنی میں اس کا جائزہ لیا جانا چاہیے کہ اس معروف ترجمہ کی حضرت شاہ رفیع الدین صاحب سے کیا نسبت ہے؟
- ۱۔ ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کے آغاز پر تمہید یا آخر میں ایسی تحریر یا اختتامیہ درج نہیں ہے، جس سے اس ترجمہ کی وجہ تالیف یا زمانہ تالیف کا علم ہو، یا یہ معلوم ہوتا ہو کہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب نے اس ترجمہ کی کیون رحمت فرمائی؟ جبکہ ان کے عزیز بھائی حضرت شاہ عبدالقدارؒ یہ خدمت انجام دے رہے تھے۔
  - ۲۔ اس ترجمہ کے کسی ایسے نسخہ کا اب تک سراغ نہیں ملا جو حضرت شاہ رفیع الدین کے قلم سے ہو یا شاہ صاحب کے نسخہ سے نقل کیا گیا ہو، یا شاہ صاحب کی مجلس درس میں پڑھا گیا ہو، یا اس برشاہ

کے حوالہ سے یہ لمحہ ان کے کسی معتمد علیہ شاگرد نے نقل کیا ہو۔

ایسا بھی نہیں ہے کہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب اپنی تصانیف و مؤلفات میں اپنا نام یا ان مؤلفات کا سن تالیف لکھنے سے احتیاط و احتراز فرماتے ہوں، شاہ صاحب کی متعدد تالیفات کے آغاز پر شاہ صاحب کا نام نامی اور آخر میں تاریخ تالیف یا سن تالیف درج ہے<sup>(۹)</sup> اور ایسا بھی نہیں ہے کہ شاہ رفیع الدین کی تصانیف و رسائل کے شاہ صاحب کے نوشتہ نئے معلوم ہوں، یا شاہ صاحب کی زندگی میں لکھی ہوئی ان کی نقول موجود نہ ہوں۔

شاہ رفیع الدین کی بعض تصانیف کے ایسے قلمی نئے اب تک موجود ہیں جو خود حضرت شاہ رفیع الدین کے قلم سے ہیں، نیز حضرت شاہ رفیع الدین کے قلم سے حضرت شاہ ولی اللہ کی بعض تالیفات بھی ہنوز موجود ہیں۔ شاہ رفیع الدین کے نوشتہ اور رسائل و تحریرات کا بھی سراغ ملتا ہے۔ (۱۰-الف) شاہ رفیع الدین کی تالیفات کے ایسے مجموعے یا نئے بھی دستیاب ہیں جو شاہ صاحب کی حیات (وفات: ۱۲۳۳ھ) میں لکھے گئے تھے۔ ترجمہ قرآن مجید تو ایک بڑا کارنامہ تھا، اگر شاہ صاحب نے یہ خدمت انجام دی ہوتی تو امید تھی کہ وہ اس پر بھی اپنے والد ماجد صاحب اور محترم بھائیوں کی طرح اپنا نام لکھتے اور اس خدمت کے انجام دینے کی وجہ تحریر فرماتے۔

۲۔ اس ترجمے کا شاہ رفیع الدین کی اور تحریرات و تصانیف میں بھی (جو تقریباً میں سے زائد ہیں) کچھ ذکر اور حوالہ نہیں ملتا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز نیز حضرت شاہ عبدالقادر کے علاوہ خاندان ولی اللہ کے متاخر علماء بھی اس کا تذکرہ نہیں فرماتے، شاہ رفیع الدین کے معاصرین بھی اس کے احوال سے خاموش ہیں اور شاہ رفیع الدین کے کسی شاگرد نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔

۳۔ خاندان ولی اللہ کے ترجم اور تصانیف و مؤلفات کے برعکس اس ترجمہ کی حضرت مؤلف سے قرأت و سماعت اور اجازت کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ جناب مؤلف سے اس کی نقل لی گئی ہو اس کا بھی کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ حالانکہ شاہ رفیع الدین کی قرآن پاک کی بعض آیات کی شرح و تحقیق میں جو چند تالیفات و رسائل ہیں شاہ صاحب سے ان کی اجازت اور سندیں اب تک موجود ہیں اور ان رسائل کے قدیم اور معتبر نئے بھی دریافت ہیں، نیز شاہ رفیع الدین کے رسائل متعدد، معتبر قلمی محمد عاصم حمد ہیں، اور بعض تالیفات و رسائل خود شاہ صاحب کے قلم کر موجود ہیں، اشاد صاحب کا،

میں اس کا حوالہ و تذکرہ ہونا چاہیے تھا، نیز اس خاندان کے اور علماء کی تحریرات میں اس کا ذکر آنا چاہیے تھا۔

۷۔ کچھ تو وجہ ہے کہ اس خاندان سے محبت و تعلق اور تلمذ و ارادت رکھنے والے علماء اور اہل فضل و کمال جو اس خاندان کے علماء کی چھوٹی، چھوٹی تحریروں کو آنکھوں سے لگاتے تھے اور ان کی لکھی ہوئی ایک ایک سطر کی قدر کرتے، اس کی نقل لیتے، خود محفوظ رکھتے اور تھہ اہل علم اور اپنے دوستوں کو بھیجتے تھے، یہ بھی انتہام تھا کہ ان تمام بزرگوں کی چھوٹی چھوٹی تالیفات اور رسائل و تحریرات کو ان کے مصنفوں کے سامنے پڑھتے، اپنے نسخہ کا نسخہ مؤلف سے مقابلہ کرتے اور موقع ملتا تو حضرت مصنف سے اس کی اجازت لیتے تھے۔ (اس خاندان کے علماء کی تحریریوں کی پسندیدگی اور قدردانی کا یہ سلسلہ حضرت شاہ ولی اللہ بلکہ ان کے والد ماجد اور عم مکرم سے لے کر اس خاندان سے وابستہ آخری بڑے عالم اور محدث، مولانا، مفتی عبدالقیوم کے عہد تک جاری رہا) لیکن اس وسیع و طویل سلسلہ میں ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کی نقل اور اجازت و روایت کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا، حالانکہ خاندان ولی اللہی میں شاہ عبدالعزیز کے بعد سب سے زیادہ شاگرد شاہ رفیع الدین صاحب ہی کے تھے۔ شاہ صاحب کے شاگردوں کی اس بڑی جماعت میں سے کسی ایک شاگرد کی بھی اس ترجمہ سے وابستگی اور اس کی خدمت و تعلیم کا سراغ نہیں ملا۔

۸۔ اس دور کی مؤلفات و کتب میں ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کا جو تذکرہ آیا ہے وہ عموماً اس ترجمہ کی پہلی اشاعت کے بعد کا ہے۔ رقم سطور کو خاصی تلاش و جستجو کے باوجود حضرت شاہ رفیع الدین کے عہد اور اس طباعت سے پہلے کے کسی نسخہ یا روایت و اطلاع کا سراغ نہیں ملا۔

۹۔ یہ بات بھی توجہ چاہتی ہے کہ بر صغیر کے تمام دینی، علمی طبقوں میں زمانہ قدیم سے موضع قرآن کی جو اہمیت رہی ہے ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کو اس کا دسوال حصہ بھی حاصل نہیں، موضع قرآن کی درس و تعلیم کا ہمیشہ معمول اور اہتمام رہا ہے، اکثر مترجمین قرآن مجید مفسرین اور علماء کرام نے اپنے تراجم و تفاسیر میں موضع قرآن سے جس قدر استفادہ کیا ہے ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین سے استفادہ کا اس قدر اہتمام نہیں ہوا، کم ہی علماء ہیں جنہوں نے اپنے تراجم کے لیے اس ترجمہ کو اساس و بنیاد بنا لیا ہو۔ اگر یہ ترجمہ واقعہ خاندان ولی اللہی کا ہوتا تو ایک ترجمہ کی کس قدر پذیرائی

جس پر ۱۴۲۰ھ سے ۱۴۲۷ھ کے درمیان کی تاریخ کتابت درج ہو، اس طرح کے ایک، دونوں کا بعض فہرستوں میں تذکرہ ملتا ہے مگر فہرست نگاروں نے ان کے جو سنین کتابت نقل کیے ہیں وہ نقشی اور قیاسی ہیں، ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں یہ بھی عرض کرو دینا چاہیے کہ بعض مورخین اور تذکرہ نگاروں خصوصاً اردو زبان و ادب اور اس کے مورخین نے اس ترجمہ کو موضع قرآن سے پہلا قرار دیا ہے (۱۰-ب) مگر کسی نے بھی اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا اور موضع قرآن سے مقدم ہونے کی کوئی قابل قبول وجہ بھی نہیں لکھی بلکہ ایسا کوئی قرینہ بھی ذکر نہیں کیا جس سے ان کی رائے کی توثیق ہوتی ہو اس لیے یہ اطلاعات و تحریرات بھی محتاج ثبوت ہیں اور ان سے ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کی قدامت اور استناد ثابت نہیں ہوتا۔

### اس ترجمہ کے قدیم اور معتبر خطی نسخوں کا فقدان

ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کے قدیم ترین خطی نسخے کا (غالبیات کے مشہور محقق) جناب کالی داس گپتا رضا بھٹی کے ذاتی کتب خانہ کے حوالہ سے تذکرہ کیا جاتا ہے مگر یہ اطلاع صحیح نہیں ہے، کالی داس صاحب کے کتب خانہ میں موضع قرآن کا ایک قلمی نسخہ ہے جو شاہ عبدالقار صاحب کی حیات کا لکھا ہوا ہے۔ شاہ رفیع الدین سے منسوب ترجمہ کا کوئی نسخہ ان کے ذمیہ میں موجود نہیں تھا، کالی داس گپتا صاحب نے میرے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا کہ:

”میرے کتب خانہ میں جو قلمی نسخہ ہے وہ شاہ عبدالقار (صاحب) کا ہے، ترجمہ شاہ رفیع الدین کا قلمی نسخہ میرے یہاں کبھی نہیں تھا۔“

موضع قرآن کے اس نسخہ کا کالی داس صاحب کے ایک اثر یوں میں بھی تذکرہ آیا ہے۔ (۱۱) ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کے جو قلمی نسخہ رقم سطور کے علم و نظر میں ہیں، ان کا ایسا کوئی پہلو یا اہمیت نہیں ہے کہ اس کا یہاں ذکر کیا جائے۔

ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کے متعلق سید عبدالرزاق صاحب، مرتب تفسیر رفیعی کی اطلاع پر ایک نظر:

”والد بزرگوار میرے نے بخدمت جناب عالم باعمل و فاضل بے بدل واقف علوم معقول و منقول، خلاصہ علماء متاخرین، مولوی رفیع الدین“ کے عرض کیا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ ترجمہ کلام تحت لفظی آپ سے پڑھ کر زبانِ اردو میں لکھوں، پھر اس کو آپ ملاحظہ فرمائیں اصلاح دے کر درست فرمایا کریں، چنانچہ آپ نے قبول فرمایا اور تمام کلام اللہ اسی طرح مرتب ہوا اور رواج پایا۔ اسی صورت سے تفسیر سورہ بقرہ کی بطور فائدوں کے تمام و مکال مفصل و مصرح لکھی تھی۔<sup>(۱۲)</sup>

اگر یہ ترجمہ سید نجف علی کی خواہش پر یا ان کی کوشش سے مرتب اور مکمل ہوا تھا تو یہ سید نجف علی کے لیے بڑا اعزاز و امتیاز تھا۔ اگر تواضع یا اخلاص کی وجہ سے انہوں نے اس کا ذکر نہیں کیا تھا تو حضرت شاہ صاحب کے شاگرد اور قدردار اس سے کیوں بے خبر رہے۔ نیز سید عبدالرازاق صاحب کی یہ اطلاع بھی محتاج ثبوت ہے کہ سید نجف علی شاہ رفیع الدین کے شاگرد تھے، انہوں نے شاہ صاحب سے کب پڑھا، ان کے رفقائے درس کون کون اصحاب تھے اور حضرت شاہ صاحب نے ان کو کتنے کتابوں کی اجازت و سند سے نوازا، اس کا بھی تذکرہ نہیں ملتا، اور اگر یہ اطلاع درست ہے تو اس کا اس ترجمہ کے قلمی نسخوں میں ذکر کیوں نہیں آیا اور جب سید نجف علی نے اس ترجمہ کا نسخہ عام کیا تو اس کے آغاز پر یہ اطلاع کیوں درج نہیں کی نیز اس ترجمہ کے جملہ ناقلين و ناثرين اس بڑی حقیقت سے کیوں بے خبر رہے اور دیگر مراجع اس ترجمہ کے تذکرہ سے کیوں خاموش ہیں۔؟

نیز مذکورہ بالا روایت کی کسی اور ذریعہ سے تصدیق بھی نہیں ہوتی۔ یہاں یہ بات بھی توجہ چاہتی ہے کہ عبدالرازاق صاحب کی اس صراحة اور اعلان کے باوجود اس تفسیر و اشاعت کو معمولی پذیرائی بھی نصیب نہیں ہوئی۔ خاص و عام کسی نے بھی اس کو خاص اہمیت کے ساتھ نہیں پڑھا اور غالباً اس کی دوسری اشاعت کا بھی موقع نہیں آیا، خاندان ولی اللہی کے علماء کی تصانیف و تفاسیر میں اس کا بہت کم ذکر آتا ہے خصوصاً وہ علماء جو اس خانوادے کے علمی مقام و مرتبہ سے واقف ہیں اس کا تذکرہ نہیں کرتے۔ خانوادہ ولی اللہی کے متاخر اصحاب اور اس خاندان سے وابستہ علماء نے ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین اور تفسیر رسمی کے نقل یا درس و تعلیم کا اہتمام کیا ہو، اس کی بھی کوئی اطلاع نہیں ملی۔

کا ہے۔

ایک عام قاری کو بیہاں یہ خیال یا بدگمانی بھی ہو سکتی ہے کہ سید عبدالرزاق صاحب نے جب یہ دیکھا کہ ایک ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین کے نام سے چھپنا شروع ہوا ہے جس کی استنادی حیثیت اور پس م叙述 معلوم نہیں تو اس کام کے حوالے سے اپنی شہرت اور استناد کی کوشش کی اور اپنے مرحوم والد کی نسبت سے تفسیر رفیعی کا اعلان کر دیا۔ تفسیر سورہ بقرہ کے سلسلہ میں بھی سید نجف علی کی اطلاع مشتبہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت شاہ رفیع الدین کی تفسیر سورہ بقرہ یا اس کے مفصل اردو حاشیہ کا سید عبدالرزاق کے علاوہ کوئی اور تنذکرہ نہیں کرتا۔

اگرچہ یہ صحیح ہے کہ شاہ رفیع الدین صاحب نے سورہ بقرہ پر کچھ حواشی اور توضیحات قلم بند فرمائی تھیں مگر وہ افادات فارسی میں ہیں اور اس کے کم سے کم دو قلمی نسخے بھی موجود ہیں<sup>(۱)</sup> مگر مجھے افادات سورہ بقرہ کے فارسی شخصوں سے استفادہ کی سعادت نہیں ملی، اس لیے یہ عرض کرنا ممکن نہیں کہ سید عبدالرزاق کے شاہ صاحب کے حوالہ سے مرتبہ و مؤلفہ حواشی اور فارسی افادات میں کیا اتفاق واخلاف ہے۔ تاہم ممکن ہے کہ سید عبدالرزاق صاحب نے اس ترجمہ کے لیے شاہ صاحب کے سورہ بقرہ کے فارسی حواشی سے استفادہ کیا ہو، یا اس کا اردو ترجمہ کر کے تفسیر رفیعی نام رکھ دیا ہو۔ اس لیے ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کی طرح تفسیر رفیعی کے حضرت شاہ صاحب سے انتساب پر تحقیق و جستجو کی ضرورت ہے، صرف عبدالرزاق صاحب کی اطلاع کی وجہ سے اس پر کامل اعتماد درست نہ ہوگا۔

### اس ترجمہ کی پہلی اشاعت

ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین سب سے پہلے مطبع "اسلام" (مرزا پور) کلکتہ سے عبدالعزیز نامی کسی شخص کی کوشش و اہتمام سے چھپا تھا۔ صحت و درستگی کی خدمت مولانا احمد کبیر مجددی اور حافظ مرتضی نے انجام دی تھی، اس ترجمہ کا پہلا حصہ ۱۲۳۵ھ (۱۸۲۸ء) میں دوسرا حصہ ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) میں شائع ہوا۔ پہلی جلد کے آغاز پر لکھا ہے:

"لَهُ الْحَمْدُ كَهْ پہلی جلد قرآن مجید کی جو میں غوامض آیات الہی حضرت شاہ رفیع الدین

یہی اطلاع دوسری جلد کے شروع میں کسی قدر وضاحت سے درج ہے۔ اس کی بھی چند سطریں ملاحظہ ہوں:

”بندہ ناجیز عبدالعزیز خدمت میں سب بھائیوں ایمان والوں کے عرض کرتا ہے کہ ترجمہ کلام اللہ کا زبان اردو میں کیا ہوا وحید عصر، فرید دہر، زبدۃ محققین مولانا رفیع الدین مر حوم و مغفور کے فضل صدیت و اہب و مہربانی، امداد نور علی خان صاحب کے سے اور اعانت لمحج حاجی حریم شریفین، مقبول بارگاہ رب المشرقین فاضلؑ بے نظیر جناب مولوی حاجی حافظ احمد کمیر و حافظ محمد مرتفعی کے قالب طبع میں لایا۔“ (۱۵)

مگر دونوں جلدوں میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ ناشر کے سامنے جو نسخہ تھا اس کی استنادی حیثیت کیا ہے اور اس کا حضرت شاہ صاحب (رفیع الدین) سے انتساب کس وجہ سے درست سمجھا گیا۔

## کلکتہ کی دوسری طباعت اور اشاعتِ دہلی

ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کلکتہ کی مذکورہ طباعت کے فوراً بعد ایک مرتبہ اور چھپا تھا اس طباعت کا شیخ ریاض الدین مقیم کلکتہ نے اہتمام کیا تھا، اس کا سن طباعت بھی ۱۲۵۶ھ (۱۸۳۱ء) ہی ہے۔ کلکتہ کی اس دوسری طباعت کا چربہ (Re-Print) دہلی کے ایک مشہور شیعہ مؤلف اور ناشر مولوی باقر حسین نے اپنے پریس دہلی اردو اخبار پریس سے چھپایا تھا، مگر اس نسخہ میں اور تفصیلات کا تو ذکر ہی کیا۔ مترجم کا نام بھی درج نہیں اور اس ترجمہ کی اشاعت کی وجہ بھی بیان نہیں کی گئی، اس اشاعت کے اختتام پر صرف یہ ایک مختصر فقرہ درج ہے:

”دہلی اردو اخبار دہلی؛ باہتمام سید معین الدین کے چھپا ہوا،“ (۱۶)

یہ فقرہ ایک بڑی سیاہ مہر کے دونوں طرف چھپا ہوا ہے، مہر درمیان میں ثبت ہے، اس مہر میں یہ الفاظ درج ہیں:

”نام کاتب حافظ غلام محبی الدین ساکن گجرات، چھاپنے والا شیخ ریاض الدین کلکتہ، سن  
بھری ۱۲۵۷ھ مطابق ۱۸۳۱ء“ (۱۷)

فائدہ بھی ہیں جو موضع قرآن سے لیے گئے ہیں۔ اس اشاعت کا ایک نسخہ ہمارے ذخیرہ میں ہے۔  
یہاں نسخہ دہلی کی اشاعت کے چند پہلوؤں پر نظر ڈال لینی مناسب ہوگی۔

۱۔ اس پر لیں سے جہاں سے یہ ترجمہ شائع ہوا ”دہلی اردو اخبار“ بھی چھپتا تھا، اس کی مناسبت سے اس کو دہلی اردو اخبار پر لیں کہتے تھے، اس پر لیں میں ۱۸۳۰ء (۱۲۵۵ھ) کے آغاز تک شاہ عبدالقدار کے ترجمہ قرآن کے بھی چند نئے فروخت کے موجود تھے۔ (۱۸)

دہلی اردو اخبار پر لیں نے قرآن شریف کا ایک اور ترجمہ بھی چھپا تھا، یہ ترجمہ اس وقت شیعہ مسک کے ایک باحیثیت و ذی ثبوت رہنما حامد علی خاں نے ہم مسلموں کے لیے کرایا تھا، دہلی اردو اخبار کی ۱۸۳۰ء کی اشاعتوں میں مہینوں تک اس ترجمہ کا اشتہار چھپا، جس کے الفاظ یہ ہوتے تھے: ”قرآن (کریم) جو ترجمہ کروایا ہوا حامد علی کا تیار ہو چکا ہے اور گھٹی ہے اور گھٹی ہے قیمت ہدیہ اس کی“۔ (۱۹) حامد علی خاں نے یہ ترجمہ کب اور کس سے کرایا تھا اور چھلی مرتبہ کہاں چھپا تھا اس کا تعارف مجھے نہیں ملا، یہ اطلاع اس لیے ضروری تھی کہ آئندہ بحث گفتگو کا اس سے کچھ تعلق معلوم ہوتا ہے۔

ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین مطبوعہ دہلی اردو اخبار کی ۱۸۳۰ء کی فائل کی اطلاع میں ایک بڑی ابجھن ہے، جس کے حل کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ وہ یہ ہے کہ ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کے آخر میں جو عبارت چھپی ہوئی ہے، اس میں طبع کلکتہ کا ۱۸۳۱ء (۱۲۵۷ھ) اور دہلی اردو اخبار پر لیں، باہتمام سید معین الدین ایسا صاف اور واضح چھپا ہوا ہے کہ اس میں فکر و تأمل کی ذرا بھی گنجائش نہیں، لیکن معاملہ اس قدر صاف نہیں ہے جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہو رہا ہے، بہ ظاہر اس میں کچھ التباس ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ سید معین الدین نے دہلی اردو اخبار اور اپنا یہ پر لیں وسط اگست ۱۸۳۰ء میں فروخت کر دیا تھا اسی لیے دہلی اردو اخبار کی ۲۳ اگست ۱۸۳۰ء (۲۲ ربیع الاول ۱۲۵۶ھ) کی اشاعت سے اس پر ”باہتمام موتی لعل پیشر کا“ اعلان یا پرنٹ لائی چھپنے لگی تھی، (۲۰) دہلی اردو اخبار کی اس وقت سے ۱۸۳۱ء تک کی اکثر مطبوعات پر بحیثیت ناشر موتی لعل کا نام چھپا ہوا ہے، اس لیے ۱۸۳۱ء کے مطبوعہ ترجمہ پر سید معین الدین کا نام غلط ہے۔

اس پریس کا نام بھی ”مطبع جعفریہ“ رکھا تھا، جو اگرچہ بعد میں دوبارہ اردو اخبار پریس کر دیا گیا تھا۔<sup>(۲۱)</sup>

یہ پریس ایک امام باڑہ میں واقع ہے، بعد میں جو کتابیں اور اخبارات اس پریس سے چھپے ان میں یہ تصریح موجود ہے:

”دہلی اردو اخبار پریس، مکان متعلقہ امام باڑہ، موقوفہ مولوی محمد باقر حسین صاحب واقع گزار اعتقاد خان“<sup>(۲۲)</sup>

بعض کتابیوں میں متصل پنجہ شریف بھی چھپا ہوا ہے،<sup>(۲۳)</sup> یعنی مولوی باقر حسین کا مذہبی رنگ ایسا پختہ تھا کہ وہ امام باڑہ میں رہتے تھے، وہیں ان کا پریس تھا، وہیں سے اردو اخبار بھی چھپتا تھا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایسا گہرا مذہبی شخص اور شیعہ عالم جانتے بوجھتے حضرت شاہ رفیع الدین کا ترجمہ کیوں شائع کرے گا، جبکہ یہ بھی معلوم ہے کہ اس وقت شماں ہندوستان خصوصاً دہلی اور اطراف دہلی میں شیعہ سنی اختلاف زوروں پر تھے۔ دونوں طرف سے مناظروں کا بازار گرم اور تصنیف و مؤلفات کا سلسلہ جاری تھا ایسے میں کسی شیعہ ادارے کی طرف سے حضرت شاہ رفیع الدین کے ترجمہ کی اشاعت غیر متوقع سی بات ہے۔ شاید یہ سارا عمل ترجمہ کی زیادہ سے زیادہ فروخت کے لیے کیا گیا ہو۔

دہلی کے مطبوعہ نسخہ کے آخر میں (یعنی آخری صفحہ پر) درج لکلتہ کی طباعت کے سن اشاعت سے یہ بھی واضح ہے کہ دہلی کا مطبوعہ نسخہ ۱۸۷۱ء کے اواخر (یا ۱۸۳۲-۳۳ء) کا چھپا ہوا ہے اور یہ صراحة گزر گئی ہے کہ اس وقت سید معین الدین کا دہلی اردو اخبار پریس سے کچھ تعلق نہیں تھا۔ ۱۸۹۰ء کے آخر سے ۱۸۵۷ء (۱۲۷۳ھ) تک یہ اخبار اور پریس مولوی محمد باقر اور ان کے بیٹے مولوی محمد حسین آزاد کی ملکیت تھا جو ۱۸۵۷ء کی تحریک میں ختم اور بر باد ہو گیا تھا۔ بہر حال اس مطبع سے ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کی اشاعت کی کسی خاص وجہ کے بغیر نہیں ہوئی ہوگی۔

اس ترجمہ کی دہلی اور لکلتہ کی اشاعتوں کے بعد کی غالباً ابتدائی طباعت مطبع مصطفوی کانپور کی ہے، مطبع مصطفوی اس دور کے مشرقی یوپی اور اودھ کے سب سے بڑے تاجر اور ناشر کتب حاجی محمد مصطفوی۔ کے اگرچہ حم کرتاسی بنستہ کے ذکر نہیں تھے۔

مطبع محبائی نے اس ترجمہ کو حضرت شاہ ولی اللہؐ کے ترجمہ فتح الرحمن، شاہ عبدالقادر کے موضع قرآن تفسیر حسین، تفسیر یعقوب چرخی اور افادات بحرالعلوم (مولانا غلام مصطفیٰ تھانیسری) کے ساتھ چھوٹی بری تقطیع پر کئی طرح سے شائع کیا۔ یہ اشاعتیں معمولی وقفہ سے مسلسل نکلتی رہیں، جس کی وجہ سے یہ ترجمہ بھی شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کی صفت میں شامل سمجھ لیا گیا اور اس وقت سے ان دونوں ترجموں کی ایک ساتھ اشاعت کا سلسلہ چل نکلا، جو آج تک جاری ہے۔ اس ترجمہ کی فتح الرحمن اور موضع قرآن کے مسلسل اشاعتیں کی وجہ سے اس کے حضرت شاہ رفیع الدین سے انتساب پر گویا مہر لگ گئی۔ اس ترجمہ کی شاہ رفیع الدین سے نسبت پر اگر کسی کو شک و شبہ بھی ہوگا تو وہ ڈپٹی نذریہ احمد کے ترجمہ کی اشاعت کے بعد تقریباً کا عدم ہو گیا۔

ڈپٹی صاحب کا ترجمہ قرآن ۱۳۱۲-۱۴۸۹ھ (۱۸۶۲ء) میں شائع ہوا تھا جس کی غیر معمولی پذیرائی ہوئی، ڈپٹی صاحب نے اس ترجمہ کی تہمید میں شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین دونوں کے ترجموں کا مساوی حیثیت سے تذکرہ کیا ہے اور دونوں کی تحسین فرمائی ہے اس تحسین و تقدیردانی کے بعد شاید کسی کا ادھر خیال بھی نہیں گیا کہ اس ترجمہ کی استنادی حیثیت اور شاہ رفیع الدین سے اس کی نسبت کی علمی تحقیق کر لی جائے۔

اور یہ صرف ایک اتفاق ہی نہیں ہے کہ حضرت شاہ رفیع الدین کو دیکھنے اور ان کی صحبت میں بیٹھنے والوں میں سے مولوی عبدالقادر چیف رامپوری<sup>(۲۳)</sup> اور مولانا سید محبوب علی جعفری،<sup>(۲۵)</sup> اور ان کے بعد کے متعدد متاز مورخین اور تذکرہ نگار ترجمہ شاہ رفیع الدین کا ذکر نہیں کرتے۔

حضرت شاہ ولی اللہؐ اور ان کے خانوادہ گرامی کا سب سے پہلا عالمانہ تذکرہ لکھنے والے باخبر اور بمصر عالم، شیخ محسن (محمد بن الحسن صدیقی) نزہتی مؤلف الیانع الجی فی أسانید الشیخ عبدالغفاری بھی (جو صرف ایک واسطے سے حضرت شاہ رفیع الدین کے فرزند شاہ مخصوص اللہ کے شاگرد بھی ہیں) شاہ رفیع الدین کے ترجمہ کا ذکر نہیں کرتے، حالانکہ انہوں نے موضع قرآن کا پُر زور تذکرہ کیا ہے۔<sup>(۲۶)</sup>

اسی دور کا مشہور فرانسی مشرق گارسین دتا (Garcin De Tassy) بھی جو

مولانا عبدالجی حسni نے بھی نزہتہ الخواطر میں اس کا ذکر نہیں کیا،<sup>(۲۸)</sup> حالانکہ نزہتہ الخواطر میں فتح الرحمن،<sup>(۲۹)</sup> فتح العزیز<sup>(۳۰)</sup> اور موضع قرآن تینوں کا تعارف موجود ہے۔ خصوصاً مؤخرالذکر کا پرجوش تذکرہ کیا ہے اور اس کی شاہ عبدالقدار صاحب تک اپنی سند بھی نقل کی ہے۔<sup>(۳۱)</sup>

اگرچہ مؤلف نزہتہ الخواطر نے اپنی ایک اور کتاب ”الشقاقة الإسلامية في الهند“ میں ترجمہ شاہ رفیع الدین کا سرسری ذکر کیا ہے مگر وہاں بھی اس کا تعارف ایسا نہیں جیسا موضع قرآن کا ہے۔<sup>(۳۲)</sup>

اسی طرح مولانا عبد اللہ سندھی بھی صرف موضع قرآن کا ذکر کرتے ہیں، شاہ رفیع الدین کے احوال و تعارف میں ترجمہ قرآن سے صرف نظر کر لیتے ہیں، مولانا سندھی کی اہم تصانیف شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ”التمهید لتعريف ائمه التجدید“ دونوں میں ترجمہ شاہ رفیع الدین کا ذکر نہیں۔<sup>(۳۳)</sup> مولانا نور الحق علوی نے ”التمهید“ میں شاہ رفیع الدین کے تذکرہ پر جو تعارفی حاشیہ لکھا ہے اس کا ایک نقرہ توجہ طلب ہے، مولانا نور الحق صاحب علوی لکھتے ہیں:

”بعض پرانے ثقافت سے سنی ہوئی بات ہے کہ شاہ رفیع الدین نے صرف چند سورتوں کا ترجمہ کیا اور مولانا عبدالجی نے اسے پورا کیا۔“<sup>(۳۴)</sup>

اسی روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ پچھر اسی سال پہلے تک دارالعلوم دیوبند کے علمی حلقوں میں اس ترجمہ کی شاہ رفیع الدین سے نسبت مشتبہ تھی اور اس موضوع پر گفتگو ہوتی تھی اور اس وقت کے اصحاب اس ترجمہ کے اکثر حصہ کو مولانا عبدالجی بدھانوی سے منسوب کرتے تھے، لیکن مؤخرالذکر اطلاع بھی مختان ثبوت ہے۔ اگر اس ترجمہ کو مولانا عبدالجی نے مکمل کیا ہوتا تو ان کے نامور فرزند، مولانا مفتی عبدالقیوم بدھانوی اس کا ضرور تذکرہ فرماتے، مولانا عبدالقیوم صاحب ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین کے متعلق یہ تو فرماتے ہیں کہ:

”یہ ترجمہ آپ (شاہ رفیع الدین) نے شروع کیا تھا مگر ناتمام رہا، دوسروں نے تمام کر کے آپ کے نام سے شہرت دی۔“<sup>(۳۵)</sup>

یعنی شاہ رفیع الدین کا ترجمہ ابتدائی مرحلہ میں ناتمام رہ گیا تھا، کسی اور شخص نے اس کو مکمل کیا ہے اور اپنے کام اور ترجمہ کو شاہ رفیع الدین سے منسوب کر کے اپنی کے نام سے مشہور کر دیا۔ بظاہر

سے واقف ہوتے اس کا تذکرہ کرتے اور اس پر شک و شبہ اور بے یقینی ظاہرنہ کرتے۔

مذکورہ تمام اطلاعات و شواہد و قرآن تباہ رہے ہیں کہ اس معروف اردو ترجمہ کا حضرت شاہ رفیع الدین سے انتساب درست نہیں، اس لیے ضرورت ہے کہ علماء اور اہل فکر و نظر اس پر توجہ فرمائیں اور اس کا سراج لگائیں کہ یہ ترجمہ کس کا ہے اور اس کا حضرت شاہ رفیع الدین سے نسبت کس حد تک درست ہے، اگر یہ ترجمہ شاہ رفیع الدین کا نہیں ہے تو اس کا ولی اللہی تراجم کی فہرست میں شمار اور اس پر اس قدر اعتقاد کس طرح درست ہے؟۔

اور اگر اس ترجمہ کی حضرت شاہ رفیع الدین سے نسبت ثابت اور تاریخی علمی کسوٹی پر کھڑی اترتی ہے تو اس کے حوالے سامنے آنے چاہیں اور اگر نئے مطبوعہ مکملتہ (۱۴۳۵-۵۶ھ) سے پہلے کے اس کے معتبر و مستند قلمی نئے موجود ہیں یا تھے تو ان کی تفصیلات بھی ضروری ہیں، امید ہے کہ علماء کرام اور اصحاب فکر و نظر ضرور اس پر توجہ فرمائیں گے۔

## حوالہ جات

- ۱۔ ملاحظہ ہو فتح الرحمن کی مفصل تتمییز شمولہ فتح الرحمن مطبع مجہانی میرٹھ
- ۲۔ تتمییز تفسیر فتح العزیز آغاز سورہ بقرہ
- ۳۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے ایک متول، مبارک علی کتبہ میرٹھ نے لکھا ہے کہ شاہ صاحب وفات (شوال ۱۴۳۹ھ، جون ۱۸۲۳ء) سے ایک دن پہلے آخری وعظ کہنے کے بعد اپنا سرمایہ اپنے ورثاء میں بطور ترکہ تقسیم فرمادیا، اور یہ ایک مشہور شعر معمولی تصرف کے ساتھ یوں پڑھا۔
- ۴۔ ”من نیز حاضری شوم تفسیر قرآن در بغل“، مکالات عزیزی، ص ۳۱۔ (طبع اول، میرٹھ ۱۴۹۰ھ)
- ۵۔ تفسیر فتح العزیز کی اس اشاعت کا جزو تبارک، جس پر مطبع کا نام درج نہیں ”دارالآمارات“، ”مکلتہ“ سے میرٹھ میں بخش کے اہتمام سے چھپا تھا۔ اس جزو کی ارشاد (۱۴۲۸ھ / ۱۸۰۳ء) کو طباعت مکمل ہوئی، اس اشاعت کا ایک نئے جو دو سماں صفحات پر مشتمل ہے، ہمارے ذمیرے میں موجود ہے۔
- ۶۔ یہ نئے جادوی الثانیہ ۱۴۰۵ھ (فروری ۱۹۸۷ء) کا لکھا ہوا ہے اور اس پر ۱۴۱۳ھ (۱۹۹۸-۹۹ء) کی ایک مہربھی ثبت ہے، دوسرا: ۱۴۲۲ھ کا مکتوبہ ہے، تیسرا: جو حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی حیات کا ہے۔ جناب کالی داس گپتا رضا کے ذمیرے میں ہے۔ چوتھا: ۱۴۲۹ھ مریض الاول (مارچ ۱۸۱۳ء) کا لکھا ہوا ہے یہ نئے غیر متعارف ہے جمال، ۱۴۰۵ء میں، ایک زخم میں، راقم کی نظر سے گزرے۔ جناب مشق خواجہ صاحب نے موضع قرآن کے

- ۶۔ ہمارے ذخیرہ کے موجودہ نسخوں میں دو نئے کمکل ہیں، ایک نسخہ جس پر سن کتابت درج نہیں نہایت عمدہ، دیہ زیب اور ایسا متفقہ و خوبصورت ہے کہ بس دیکھتے ہی رہیے، دوسرا نسخہ جو دو جلدوں میں مگر کسی قدر ناچس ہے حضرت شاہ محمد اسحاق کے مدرسے میں جمادی الآخر ۱۴۲۷ھ میں کتابت ہوا ہے اور اس پر اصل سے دو مرتبہ مراجعت و تصحیح کی بھی صراحة ہے۔ تیرے نسخہ پر سن کتابت درج نہیں، یہ کمکل نصف آخر پر مشتمل ہے، چھتھ نسخہ: سورہ آل عمران سے سورہ طہ تک ہے مگر اس کے متن اور معروف و مستند نسخہ کے متن میں کئی جگہ پر ترمیم و اضافہ محسوس ہوتا ہے۔ پانچاں نسخہ تفسیر موضع القرآن کا ہے جو سات جلدوں میں کمکل ہوا ہے، یہ نسخہ ذی الحجه ۱۴۳۳ھ (اکتوبر ۱۸۱۹ء) میں بیگم صاحبہ امت الحبیب کے لیے نقل کیا گیا تھا۔
- ۷۔ مولانا عبدالحی حنفی نے نزہۃ العوارض میں موضع القرآن کی اپنی سند اس طرح نقل کی ہے: ”عبدالحنفی عن حمیریہ بنت علم الهدی عن بنت الشیخ عبد القادر عن أبيه“، نزہۃ، ص ۳۰۳، رج ۷ (حیدر آباد)۔
- ۸۔ ملاحظہ ہو: سید احمد شہید، چودھری غلام رسول مہر ص ۲۲۰، جلد ۱ (طبع اول لاہور، بلاسٹن)
- ب: سیرت سید احمد شہید، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، ص ۳۲۲، رج ۱۔ (لکھنؤ: ۱۴۳۹ھ)
- ج: محاسن موضع قرآن، مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی، (طبع دوم، لاہور)
- د: جائزہ مخطوطات اردو، جناب مشفع خواجہ، ص ۹۹۸
- ۹۔ یہ بات توجہ طلب ہے کہ مطبع احمدی کلکٹر کے عنوان اور اسی سن طباعت (۱۴۲۵ھ) کی وضاحت سے موضع قرآن دو مرتبہ چھپا ہے، دونوں کے متن میں بھی کہیں کہیں اور حواشی میں بھی خاصاً فرق محسوس ہوتا ہے۔
- ۱۰۔ مثلاً ملاحظہ ہوں: رسالہ ”اذان“ مؤلفہ حرم ۱۴۲۰ھ رسالہ ”شرح چہل کاف“ مؤلفہ صفر ۱۴۲۰ھ، رسالہ ”علم معا“ مؤلفہ جمادی الآخری ۱۴۲۰ھ، صناعت الأذان مؤلفہ ریبع الاول ۱۴۲۰۔
- ان کے علاوہ اور بھی چند رسائل کے آغاز یا اختتام پر تاریخ یا سن تالیف درج ہے اور اپنی اکثر تصانیف و مؤلفات کے آغاز میں حضرت شاہ صاحب نے اپنا نام صاف لکھا ہے مثلاً ملاحظہ ہوں:
- الف: رسالہ تکمیل صناعت الأذان کے آغاز پر ہے: ”وبعد فيقول محمد رفيع الدين“۔
- ب: رسالہ تحقیق تصور میں فرماتے ہیں: ”اما بعد فيقول العبد الممسكين محمد رفيع الدين رزقه الله حق اليقين و الحقه بسلفه الصالحين“۔
- ج: رسالہ توپع المقدمہ (مقدمة کتاب کس کو کہتے ہیں اس کی حقیقت اور تعارف) کے آغاز پر تحریر فرماتے ہیں: ”وبعد يقول العبد الممسكين محمد رفيع الدين ادخله الله في زمرة السابقين“۔
- د: رسالہ عروض و قانیہ کی ابتداء ملاحظہ ہو: ”وبعد يقول العبد الممسكين محمد رفيع الدين الحقه الله بسلفه الصالحين“۔
- س: رسالہ در بحث حدوث و تدم عالم کے آغاز پر ارقام ہے: ”يقول العبد الضعيف محمد رفيع الدين الحقه“

- ۱۔ سہ ماہی ناظر، دہلی۔ کالی داس گپتا رضا نمبر، ص ۵۹ (دہلی: ۱۹۸۵ء)۔
- ۲۔ تفسیر سورہ بقرہ شاہ رفیع الدین (معروف بـ تفسیر رفیع) ص ۱ (باہتمام سید عبدالرازاق در مطبع قشیدی۔ دہلی، ۱۸۵۵ھ۔ ۱۸۵۵ء) اس کے حاشیہ پر تفسیر یعقوب چخنی چھپی ہے۔ اس اشاعت کا ایک عمدہ نسخہ رقم سطور کے سامنے ہے۔
- ۳۔ تفسیر سورہ بقرہ فارسی شاہ رفیع الدین کا ایک نسخہ مکتبہ ۱۲۲۱ھ، ذخیرہ آذر، چخاب یونیورسٹی لاہوری، لاہور میں دوسرا پشاور یونیورسٹی لاہوری میں ہے۔
- ۴۔ ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین، طبع اول گلکتہ ۱۲۵۲ھ۔ (۱۸۳۸ء۔ ۳۹)
- ۵۔ ترجمہ منسوب بہ شاہ رفیع الدین (طبع اول گلکتہ شوال ۱۲۵۲ھ، دسمبر ۱۸۳۰ء) ج ۲، ص ۹۸۲۔
- ۶۔ یہ اشاعت رقم سطور کو مستیب نہیں ہوئی، اس کے اقتباسات اور متعلقہ تفصیلات ڈاکٹر محمد ایوب قادری کی کتاب ”اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ“ سے لی گئی ہیں۔ ملاحظہ ہو: ص ۲۱، ۲۲ (لاہور: ۱۹۸۸ء)۔ اس اشاعت کا ایک نسخہ مولانا آزاد لاہوری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود تھا جو مولانا اخلاق حسین قاسمی نے دیکھا تھا۔ مولانا نے اس کا ذکر کیا ہے۔ محاسن موضح قرآن ص ۸۲، (بھیڑہ: ۱۳۰۳ھ) اور ڈاکٹر نادر علی کے اندرائج سے بھی یہی لگتا ہے کہ علی گڑھ میں اس کا نسخہ موجود تھا۔ ہندوستانی پریس ڈاکٹر نادر علی خان، ص ۲۰، لکھنؤ: ۱۹۹۰ء)۔ گراب تلاش کرنے پر نہ یہ نسخہ ملنا نہ اس کا کارڈ موجود ہے۔
- ۷۔ ترجمہ مطبوعہ دہلی، غالباً ۱۲۵۸ھ، ص ۲۳۲۔
- ۸۔ **الیضا**
- ۹۔ اخبار دہلی، شمارہ ۲۶، شمارہ ۲۲، رجنوری اور ۲۲ فروری ۱۸۳۰ء وغیرہ (شوال، ذی تعداد ۱۲۵۵ھ کے پہلے صفحہ پر یہ اطلاع درج ہے: ”قرآن مجید، مولوی عبد القادر صاحب۔ قریب چالیس جلد کے اس چھاپے خانہ میں رہ گئے ہیں“، فائل دہلی، اردو اخبار، دہلی: ۱۸۳۰ء۔ مرتبہ خواجہ احمد فاروقی۔ (دہلی: ۱۹۷۲ء)
- ۱۰۔ یہ اطلاع اس وقت کی ہے جب سید مصیhn الدین اس مطبع کے مالک و منتظم تھے۔
- ۱۱۔ ملاحظہ ہو: فائل دہلی، اردو اخبار، ص ۱، ۹ یہ اشتہار ۲۶، رجنوری سے ۱۸۳۰ء کے شماروں تک چھپتا رہا۔
- ۱۲۔ فائل دہلی اردو اخبار، اختتام شمارہ ۲۳، راگست ص ۲۰ (دہلی: ۱۹۷۲ء)
- ۱۳۔ تاریخ صحافت اردو، جناب امداد صابری، ص ۱۰۲، جلد اول (دہلی: ۱۹۵۳ء) نیز محمد حسین نوگاودی نے تذکرہ ہے بہاںی تاریخ الحلماء میں لکھا ہے کہ: ”اشاعت دین خلوص سے کرتے تھے تو فضل خدا بھی شامل ہوا، دل کی سلطنت ضعیفہ کا عہد تھا، اس زمانہ میں آپ نے ایک مطبع بھی جاری فرمایا اور ایک اخبار مسکی بہ ”اردو اخبار“ جاری کیا اور کتب چھپوائیں، نئی نئی بات تھی ”کل جدید لذیذ“ خوب لفظ ہوا تو پنجشہر شریف کے روروں کو ہر دلی شہر مسجد بنوائی اور ایک امام باڑہ بڑا وسیع بنوایا۔ ایام عزا میں آپ بڑی دعوم دھام سے مجالس کرتے تھے، دہلی شہر میں جگہ کائنات میں ایسا تھا کہ قرآن قریب تر نہیں تھا۔“

- ۲۲۔ ترجمہ ترک تیموری، مترجم مولانا سجان بخش شکارپوری کی پہلی طباعت ۱۸۲۵ء کے سروق پر درج ہے۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، راقم سطور کا مضمون ”قدیم دہلی کالج کے نامور مدرس، مصنف اور مترجم مولانا سجان بخش شکارپوری (شکارپور ضلع مظفرگڑ، یوپی) مجلہ غالب نامہ دہلی، جنوری ۲۰۰۳ء، ص ۱۳۰، ۱۳۱ء۔
- ۲۳۔ مثلًا: ترجمہ خاصۃ التواریخ مارش میں، مترجم سروپ نرائی و شیو نرائی، مطبوعہ ۱۸۲۳ء کے سروق پر یہ الفاظ چھپے ہوئے ہیں: ”دہلی اردو پریس، مکان مولوی محمد باقر صاحب، گزرا عقاد خاں، متصل پنجہ شریف چھاپا ہوا۔“
- ۲۴۔ وقارع نو زبانیجہ مولوی عبدالقدار چیف رام پوری۔ (مولفہ ۱۲۲۶ھ / ۱۸۳۱ء) اردو ترجمہ بعنوان علم و عمل مترجمہ مولوی معین الدین افضل گڑھی۔ حواشی ایوب قادری، ص ۲۲۶، ج ۲، (کراچی: ۱۹۷۰ء)
- ۲۵۔ تذکرہ الائمه بذکر خلفاء الامۃ۔ نجف مؤلف (خزونہ ہمدرد یونیورسٹی، لاہور بری، جامعہ ہمدرد، دہلی) مولانا سید محبوب علی نے اس ضمیم کتاب (تقریباً ایک ہزار صفحات) میں شاہ رفع الدین کا کئی موقعوں پر ذکر ہے لیکن مولانا جعفری شاہ صاحب کے ترجمہ قرآن مجید کا تذکرہ نہیں کرتے۔ موضع قرآن اور اس سے پہلی دنوں قرآنی خدمات: فتح الرحمن اور فتح العزیز کا تذکرہ کرتے ہیں۔ تذکرہ الائمه کے مکمل نسخہ کا فتویٰ ائمۃ ہمارے ذخیرہ میں ہے۔
- ۲۶۔ البایع الحجی فی اسناد الشیخ عبدالغنی شیخ محمد بن یحییٰ نزہتی ص ۱۲۸، (طبع اول، صدقی بریلی: طبع دوم، بر حاشیہ کشف الأستار عن رجال معانی الاعمار) ص ۷۵، ۷۶ (دیوبند: ۱۳۳۹ھ)۔
- ۲۷۔ ملاحظہ ہو: خطبات گارسین دہلی، اردو ترجمہ (طبع اول، اورگن آباد: ۱۹۳۵ء)
- ۲۸۔ تعارف حضرت شاہ رفع الدین صاحب۔ نزہتہ ص ۱۸۲ تا ۱۸۹ نچے
- ۲۹۔ فتح الرحمن کے لیے ملاحظہ ہو: نزہتہ الحواطر ص ۳۰، ج ۲ (حیدر آباد: ۱۹۰۸ھ / ۱۹۷۸ء)۔ فتح العزیز کے لیے دیکھیے: نزہتہ ص ۲۸۰ ج ۷ (حیدر آباد: ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء) اور موضع قرآن کے تعارف کے لیے: نزہتہ ص ۳۰۳ ج ۷)۔
- ۳۰۔ ایضاً
- ۳۱۔ ایضاً
- ۳۲۔ اسلامی علوم و فنون ہندستان میں (ترجمہ الفاقہ الاسلامیہ فی الہند) از مولانا ابو العرفان جو پوری، ندوی، ص ۲۲۷ (اعظم گڑھ: ۱۳۸۹ھ / ۱۹۷۰ء)۔
- ۳۳۔ التہذیب تعریف الائمه التجدید، ص ۳۳، ۳۲ (جام شور، سنده: ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء)۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، ص ۱۲۲ (طبع اول، لاہور: ۱۹۳۲ء)۔ طبع دوم، ص ۸۳ (لاہور: ۱۹۳۵ء)۔
- ۳۴۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۸۳ طبع دوم
- ۳۵۔ مقالات طریقت (حوال و اوقات حضرت شاہ عبد العزیز) عبدالریم ضیاء ص ۱۸، (حیدر آباد: ۱۳۹۲ھ)۔